ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

عالم عربی کی روح

"مسلمان عالم عربی کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کا گہوارہ ہے، انسانیت کی پناہ گاہ ہے، عالمی قیادت کا مرکز ہے، روشنی کا مینار ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ محمد عربی ﷺ عالم عربی کی جان، اس کی عزت وافتخار کا عنوان، اور اس کا سنگ بنیاد ہے، اگر اس سے محمد رسول اللہ ﷺ کو جدا کر دیا جائے تو اپنے تمام قوت کے ذخیروں اور دولت کے چشموں کے باوجود اس کی حیثیت ایک بے جان لاشہ اور ایک نقش بے رنگ سے زیادہ نہ ہوگی۔"

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر: ۳۱۰)

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

January 2022

Rs. 15/-

سنت و بدعت کا معیار

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ

''مسلمانوں میں اختلاف کا آغاز قرن اول سے ہی ہوگیا تھا، لیکن غور سے دیکھئے یہ اختلاف زیادہ تر نظریات و آراء کا تھا، جن کو عمل سے تعلق نہ تھا کہ غیر مادی، غیر محسوس امور کے متعلق کوئی محسوس و مادی، عملی شہادت پیش نہیں کی جاسکتی، مثلاً یہ کہ خلافت مسلمانوں کے مشورہ سے ہے یا نص الٰہی سے ہے، یہ شیعہ اور اہل سنت کے درمیان سب سے اہم بحث ہے، یا یہ کہ قیامت میں دیدار الٰہی ان ظاہری آنکھوں سے ہوگا یا نہیں، یہ ایک معرکۃ الآراء اختلافی بحث معتزلہ اور اشاعرہ و ماتریدیہ کے درمیان میں ہے، لیکن یہ تمام اختلافات نظریاتی حیثیت رکھتے ہیں، ان مسائل میں جن کی حیثیت عملی مادی اور محسوس تھی مسلمانوں میں کوئی اختلاف کبھی پیدا نہیں ہوا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی متواتر عملی سنت سب کے پیش نظر تھی اور یہ اسلام کا سب سے بڑا امتیازی وصف تھا، رفع یدین، آمین بالجہر، وضع ید، قرأت خلف الامام کی بحثیں اگر فریقین کا غلو اور تعصب علیحدہ کر دیا جائے تو صرف افضلیت کی بحث رہ جاتی ہے جو کچھ زیادہ اہم نہیں۔

یہ ہر مذہب کا اصول کلی ہے اور خصوصاً اسلام کا اور فطرۃً ایسا ہی ہونا بھی چاہیے کہ ہر مذہب کا بہترین عہد اور دور وہ ہوتا ہے جو خود صاحب مذہب کا مبارک زمانہ ہوتا ہے اور اس کے بعد اس کے جانشینوں اور صحبت یافتوں کا، پھر رفتہ رفتہ اس میں ضعف ہوتا جاتا ہے اور اس کے مذہب کا قوام بگڑ جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اصل مذہب نہیں بلکہ وہ ہے، قرآن کا یہ حکم نہیں بلکہ وہ ہے، تو اس کا فرض ہے کہ رسول کے مبارک عہد میں جو طرز عمل اس کو نظر آتا ہے، اس کو اصل مذہب کا معیار قرار دے اور جو چیز اس عہد میں نظر نہیں آتی اور بعد کو وہ شامل ہو جاتی ہے اس کو مذہب سے خارج یعنی بدعت قرار دے، اس اصول کی بنا پر جو بالکل واضح ہے ہر اس شخص کا جو اسلام کے اصلی پیکر کی جلوہ آرائی کا مدعی ہے اور قرآن کی صحیح تعلیم کو آج دنیا میں پیش کرنا چاہتا ہے، یہ فرض ہے کہ وہ اس اصلیت پر اس صحیح تعلیم کا خط و خال اس عہد مبارک کی عملی زندگی میں دکھائے اور یہ بتائے کہ آج جو غلطیاں اس کو نظر آتی ہیں وہ اس وقت نہ تھیں بلکہ بعد کو اسلام میں داخل ہوگئی ہیں، مثلاً یہ بتائے کہ اس عہد مبارک میں صرف دو وقت یا تین وقت کی نماز تھی، بعد کو جب بخاری و مسلم و ابوداؤد مرتب ہوئی تو مسلمانوں میں پانچ وقتوں کی نماز کا رواج ہوا، پہلے اس طرح نماز پڑھی جارہی تھی، بعد کو اس میں فقہاء اور محدثین نے یہ اضافہ کر دیا، اگر یہ ثابت نہیں ہوسکتا اور یقیناً ثابت نہیں ہوسکتا تو یہی ماننا پڑے گا کہ خود رسول نے نعوذ باللہ اپنے زمانہ میں اپنی وحی کے سمجھنے میں غلطی کی اور اب اس کو ہندوستان کے عجمی اپنی معمولی صرفی و نحوی لیاقت سے درست کر رہے ہیں، کیا کوئی مسلمان بلکہ انسان بھی ایسا احمقانہ دعویٰ کرسکتا ہے؟''

(معارف، نمبر۲، جلد۲۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۴ — جنوری ۲۰۲۲ء - جمادی الآخر ۱۴۴۳ھ — شمارہ: ۱

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

وصیت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَخْرِجُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ لَا یَبْقٰی فِیھَا اِلَا مُسْلِم"

(یہود اور نصاری کو جزیرۂ عرب سے نکال دو، اس میں مسلم کے سوا کوئی نہ رہے)

(معرفة السنن والآثار: ٥٥٣٨)

"لَا یَجْتَمِعُ دِیْنَانِ فِی جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ"

(جزیرہ نمائے عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے)

(مؤطاالامام مالك: ٤٨٥١)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 — E-Mail: markazulimam@gmail.com — سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

حجاز مقدس اور اندیشوں کے بادل (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

عرب قائدین کے نام.....۵

.....مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

سرور کونین ﷺ سے خطاب مبارک.....۶

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

سچائی کیا ہے؟ (جاری).....۸

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

صبر، نماز اور شہادت.....۱۰

.....عبدالسبحان ناخدا ندوی

عشر کے شرعی احکام.....۱۲

.....مفتی راشد حسین ندوی

مولانا علی میاںؒ کا قرآنی ذوق.....۱۴

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

جمہوریت (Democracy).....۱۷

.....محمد مکی حسنی ندوی

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے.....۱۹

.....محمد نفیس خاں ندوی

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

نتیجۂ فکر:- جگر مرادآبادیؒ

کام آخر جذبہ بے اختیار آ ہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا ان کو پیار آ ہی گیا

جب نگاہیں اٹھ گئیں اللہ ری معراج شوق
دیکھتا کیا ہوں وہ جان انتظار آ ہی گیا

ہائے یہ حسن تصور کا فریب رنگ و بو
میں یہ سمجھا جیسے وہ جان بہار آ ہی گیا

ہاں سزا دے اے خدائے عشق اے توفیق غم
پھر زبان بے ادب پر ذکر یار آ ہی گیا

اس طرح خوش ہوں کسی کے وعدۂ فردا پہ میں
در حقیقت جیسے مجھ کو اعتبار آ ہی گیا

ہائے کافر دل کی یہ کافر جنوں انگیزیاں
تم کو پیار آئے نہ آئے مجھ کو پیار آ ہی گیا

درد نے کروٹ ہی بدلی تھی کہ دل کی آڑ سے
دفعتہً پردہ اٹھا اور پردہ دار آ ہی گیا

دل نے اک نالہ کیا آج اس طرح دیوانہ وار
بال بکھرائے کوئی مستانہ وار آ ہی گیا

جان ہی دے دی جگرؔ نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

مدیر کے قلم سے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

حجاز مقدس اور اندیشوں کے بادل

حجاز مقدس جو ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن ہے، جہاں سے دین وایمان ملا اور جس سے ہر ایمان والے کو وہ جذباتی وابستگی ہے جو عین ایمان ہے، جس کی پاسبانی ہر صاحب ایمان کی ذمہ داری ہے، آج سے سو سال پہلے وہاں نظام میں کچھ ایسی ابتری تھی کہ امن مفقود تھا، جہالت وناخواندگی عام ہوگئی تھی، عقائد تک محفوظ نہ تھے اور دور جاہلیت کی بعض رسمیں رواج پا گئی تھیں، اقتصادی حالت اور خراب تھی، طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا، یہ زمانہ شریف مکہ کا تھا اور یہ حکومت خاص طور پر شریف حسین کے دور میں برطانوی اثرات کے تابع ہوگئی تھی، اللہ کا فیصلہ ہوا اور اس نے آل سعود کو اصلاح حال کے لیے کھڑا کیا، سلطان عبدالعزیز بن سعود نے ۱۹۲۵ء میں پورے علاقہ پر کنٹرول کیا، امن وامان قائم کیا، اصلاح حال کا کام کیا، ظلم کا ہاتھ روک دیا، حدود شرعیہ کو نافذ کیا اور سادگی اور مساوات کی ایک مثال قائم کی، اس کے ساتھ اقتصادی پریشانیوں کا بھی خاتمہ ہوا، زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی گئی۔

ملک عبدالعزیز کے بعد ان کے جانشینوں نے بھی ان کوششوں کو جاری رکھا، اس میں اتار چڑھاؤ آتے رہے، لیکن کسی نہ کسی طرح گاڑی چلتی رہی، البتہ تیل کی فراوانی نے اسباب عیش پیدا کردیے اور جفاکش قوم کو جب اس سے سابقہ پڑا تو وہ اس کے سیل رواں میں بہنے لگی، پھر امریکہ ویورپ کے روابط نے اس کی رفتار اور تیز کردی اور لوگوں کا سنبھالنا مشکل ہوگیا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے پہلا سفر ۱۹۴۷ء میں کیا تھا، دوسرے سفر میں جو ۱۹۵۰ء میں ہوا، اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کو انہوں نے جو خط لکھا ہے اس سے اس کی عکاسی ہوتی ہے، مولانا کے قلم سے یہ جملے نکل گئے: ''تین برسوں میں کھلا ہوا تغیر محسوس ہوتا ہے، بازار سے لے کر لوگوں کے دماغوں تک مغربی تمدن، تجارت ومعاشیات اور افکار وخیالات کے پنجے اور زیادہ گڑ چکے ہیں، جدہ اترتے ہی اس کا احساس ہوتا ہے اور جس قدر حالات سے واقفیت ہوتی ہے، اتنا ہی اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ خوبصورت عربی لباس میں کتنے دل اور دماغ خالص مغربی بن چکے ہیں۔'' (مکتوبات: ۱/۵۴)

اس کے بعد حالات میں اتار چڑھاؤ آتا رہا، لیکن حکومت کو شریعت کا ترجمان کسی نہ کسی حد تک سمجھا جاتا رہا اور اسی دوران ملک فیصل کو زمام اقتدار ملی، جن کو اتحاد کے علم بردار کے طور پر دیکھا گیا اور جو اپنی صحیح فکر کی وجہ سے امریکہ کی آنکھوں میں کانٹا بنے رہے، بالآخر ان کو شہید کردیا گیا۔

ملک کی ترقی اور عوام کو راحت پہنچانے کے نام پر جدید وسائل تمدن، آلات تفریح اور سعودی عرب کو پڑوسی ممالک کے نقش قدم پر چلانے اور مغربی تہذیب کو اپنانے کے بارے میں پہلے ہی سوچا جارہا تھا اور اس کی طرف قدم بڑھنے لگے تھے، ملک فیصل کے بعد اس میں اور تیزی آئی اور آہستہ آہستہ مملکت نے امریکہ کے آگے گھٹنے ٹیک دیے، لیکن پھر بھی شریعت کا احترام باقی رہا اور کسی نہ کسی حد تک اس پر عمل بھی ہوتا رہا۔

عراق وکویت کی جنگ کے بعد جب امریکی فوجوں کا وہاں تسلط ہوا، اس کے بعد حالات اور بگڑے اور شکنجہ اور کستا گیا، ملک عبداللہ

کے آنے کے بعد کچھ تبدیلی کی امید تھی، لیکن ان کو بھی مجبور کر دیا گیا اور حالات مزید ابتر ہونے لگے، ان کے انتقال کے بعد ملک سلمان جو دینی ذہن رکھتے تھے اور ان کے مزاج میں سادگی بھی تھی، ان سے توقعات وابستہ کر لی گئیں، لیکن بڑی آسانی کے ساتھ ان کو کنارے کر دیا گیا اور ان کے فرزند محمد بن سلمان نے زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اس وقت وہی سیاہ وسفید کے مالک ہیں، ان کی تعلیم امریکہ میں ہوئی اور غلط صحبتوں نے ان کو وہاں پہنچا دیا جس کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی، انہوں نے بہت تیزی کے ساتھ تبدیلیاں شروع کیں اور مملکت کو اس راستہ پر ڈال دیا جس سے ہر ہر مسلمان کا دل مجروح ہے۔

مسئلہ اب صرف آلات لہو ولعب کا نہیں رہ گیا، اب کھلے عام بے حیائی کے مناظر ہیں، حکومت ان کو آگے بڑھا رہی ہے، افسوس ہے کہ لوگ دیوانہ واران پر ٹوٹ رہے ہیں، دعوتی وفکری کاموں پر پابندیاں لگائی جارہی ہیں، مسجدوں کے منبر سے بجائے ''انکار منکر'' کے ''انکار معروف'' کا کام بھی ہونے لگا ہے، اسلامی شعائر کا بھی وہ احترام نہ رہا، غیر مسلموں کے لیے بھی اب حدود باقی نہیں رہے، وہ برسر عام ہر جگہ آجاسکتے ہیں۔

یہی وہ سعودی حکومت ہے جس نے جامعہ اسلامیہ قائم کیا، جس سے دنیا کے مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا، رابطہ عالم اسلامی کی بنیاد ڈالی، جس نے عالمی سطح پر مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی لی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ دونوں اداروں میں بنیادی طور پر شریک تھے اور بعض میٹنگوں میں وہاں کی آراء کے خلاف حضرت مولانا نے رائے دی اور مولانا کی بات مانی گئی، اس دور میں وہ علماء وہاں موجود تھے جو صاف بات کہتے تھے، ان کا احترام تھا، ان کی بات چلتی تھی، لیکن آج وہ کچھ نہیں، نہ جامعہ اسلامیہ میں وہ بہار ہے، نہ رابطہ عالم اسلامی اپنے کاموں میں آزاد ہے اور نہ علماء کو بولنے کی آزادی ہے، نہ جانے کتنے علماء حق جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیے گئے، سچی بات کا اظہار کرنا مشکل ہو گیا، وہ دینی وفکری کتابیں جنہوں نے دماغوں کو صحیح رخ دیا تھا، لوگوں میں صحیح فکر اور صحیح جذبات پیدا کرنے میں جن کا بڑا کردار تھا، آج ان پر پابندیاں لگادی گئیں، تبلیغی جماعت جو خالص اصلاحی جماعت ہے، جس کا سیاست سے دور دور کا واسطہ نہیں، مسجد کے منبروں سے اس کو برا بھلا کہنے کے احکامات جاری کر دیے گئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خالص توحید کا اعلان کرنے والی اور اس کی دعوت دینے والی مملکت آج فلم اسٹاروں کو بلا کر رقص وسرود کی برہنہ محفلوں کی پشت پناہی کرے اور آخری بات یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں کی یادگاریں محفوظ کی جائیں، پھر مدینہ منورہ سے صرف چند سو کلومیٹر کے فاصلہ پر وہ شہر آباد کیا جارہا ہے جس میں کوئی پابندی نہیں، آخر بات کہاں تک پہنچ گئی۔

موجودہ ولی عہد نے برسر عام اعلان کیا کہ ہم مملکت کو یورپ کا حصہ بنادیں گے اور ہم اس کے لیے پرعزم ہیں، لوگوں کو یورپ جانے کی ضرورت نہیں، وہ تفریح کے لیے سعودی عرب آئیں، وہ مکہ اور مدینہ اور مقامات مقدسہ جہاں حاضری ایمان تازہ کرنے کے لیے اور اللہ کی بندگی کے لیے ہوتی تھی، لوگ وہاں تفریح کے لیے جائیں، یقیناً یہ زبان نبوت سے نکلے ہوئے کلمات ہیں جو پورے ہو رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ایک زمانہ میں حال یہ ہو جائے گا کہ مالدار تفریح کے لیے آئیں گے، متوسط طبقہ تجارت کے لیے آئے گا اور غریب مانگنے کے لیے، یہ بات حقیقت بن کر سامنے آرہی ہے اور اس کے راستے ہموار کیے جارہے ہیں۔

یہ وہ صورت حال ہے جس نے عالم اسلام کو بے چین کر دیا، ہر طرف سے صدائے احتجاج بلند کی گئی اور مختلف ملکوں کے مقتدر علماء نے اس صورت پر سخت تشویش ظاہر کی، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے مفصل مکتوب سفارت خانہ کے واسطہ سے محمد بن سلمان کو ارسال کیا اور اس میں اپنے کرب کا اظہار کیا اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے حوالہ سے انہی کے اسلوب

میں اپنی بات رکھی۔

امریکہ ویورپ سے یہ مرعوبیت اور وہاں کی وہ متعفن تہذیب جو اونچی اونچی عمارتوں اور سفید چمڑیوں میں بڑی دلکش معلوم ہوتی ہے، اس کی جاذبیت نے ذہن ودماغ کو ایسا مسموم کردیا ہے کہ آج وہی ترقی کا معیار ہے۔

وہ تہذیب جو حقیقت میں یورپ کا اگلا ہوا نوالہ ہے، مشرقی قومیں اس کو نگلنے کے لیے تیار ہیں اور وہ مقدس جگہ جہاں سے دنیا کو تہذیب وتمدن کی سوغات ملی، اخلاق ومعاشرت کا وہ قیمتی نظام ملا جس نے دنیا کو ایک نئی سمت بخشی اور انسانوں کی انسانیت کی حقیقت معلوم ہوئی، آج وہ سب کچھ بھلا کر دنیا کی ملمع سازی کا شکار ہورہی ہے، سچی بات یہ ہے کہ ع اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

پوری دنیا اس وقت جن سخت حالات سے گذر رہی ہے اور طبعی طور پر مسلمان سب سے زیادہ متاثر ہیں، اس وقت ضرورت ہے بات کو پوری طرح سمجھنے کی اور حتی الامکان ہر طرح کے انتشار سے بچ کر اصلاح حال کی کوششوں کی اور اپنے دائرہ کار میں جو ہوسکتا ہو، ہر سطح سے اس میں آگے بڑھنے کی، ورنہ دائرے تنگ ہوتے جائیں گے، حالات بگڑتے جائیں گے، آج بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ خود ہمیں اپنی خامیوں کا بھی احساس نہیں، ہر میدان میں اور زندگی کے ہر گوشہ میں اگر کوششیں کی جائیں گی تو کسی نہ کسی صورت میں اس کے اثرات وسیع ہوں گے اور کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کی بدولت وہاں تبدیلی کی شکلیں پیدا فرمادے، جو اس وقت ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا. وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (اور جو بھی ہمارے لیے جان کھپائیں گے تو ہم ضرور ان کے لیے اپنے راستے کھول دیں گے اور یقیناً اللہ بہتر کام کرنے والوں ہی کے ساتھ ہے)

عرب قائدین کے نام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

''اے اہل عرب، اے اہل مکہ، اے خادمانِ حرم!

آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس مقدس گھر کو بنایا تھا کہ ہر گھر سے اونچا ہوجائے، اور ہر صنم وہیکل سے اونچا دکھائی دے، آپ کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ پھر ان ناقابل ذکر بتوں کا سہارا لیں، یہیں سے عالمی انسانیت کی آواز اٹھی، جس نے امتیازات کے بتوں کو توڑ کر اور نسلی، وطنی غلامی کے طوق سلاسل کو کاٹ کر رکھ دیا، جس نے تاریخ کا رخ پھیر دیا، جس نے حوادث کا منھ موڑ دیا، یہیں سے وہ روشنی کی کرن پھوٹی و دنیا میں پھیل گئی اور جس نے انسانیت کے تن مردہ میں روح زندگی دوڑادی۔

ہمیں حیرت ہے کہ آپ کیسے اس جاہلیت کی طرف جارہے ہیں جسے ہر ہوشیار قوم نے چھوڑ دیا ہے، یورپ کا اُگلا ہوا لقمہ اٹھاتے ہوئے میں آپ کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

عرب بھائیوں کے غلط موقف سے ہم عجیب کشمکش میں ہیں، خصوصاً ہند وپاک عجیب گھٹن میں ہیں، ان لوگوں کو قرآن کے سوا کوئی کتاب، شریعت کے علاوہ کوئی نظام، اور محمد ﷺ کے ماسوا کوئی امام وقائد نہیں جانتے انھیں یہ موقف بہت کھل رہا ہے، میں آپ سے رحم کی اپیل کرتا ہوں کہ ہمیں اپنے ملکوں میں رسوا نہ کریں، آپ ہماری مدد نہیں کرسکتے تو ہمیں کمزور بھی مت بنائیے، ہمارے اسلام پر اعتماد، اپنی اسلامیت پر اطمنان، اور تاریخ اسلامی پر فخر کے مواقع سے مت روکیے، ہمارے اس پرانے یقین کو دھچکا نہ لگائیے کہ آپ نے قوموں کی جہالت کی بوجھل زنجیروں سے چھڑایا تھا۔''

(عالم عربی کا المیہ: ۱۰۶-۱۰۷)

سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب مبارک

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

قرآن مجید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ کلام الٰہی کی صورت میں جو وحی تمہیں دی جارہی ہے، اس کو لوگوں کے سامنے پڑھیے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَداً﴾ (الکھف: ۲۷) (اور آپ کے پروردگار کی کتاب کی آپ پر جو وحی ہوئی ہے وہ پڑھ کر سنایئے، اس کی باتیں کوئی بدل نہیں سکتا اور اس کے سوا آپ کو کہیں پناہ کی جگہ مل نہیں سکتی)

یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ اس وحی کو لوگوں تک پہنچادیجیے، بلکہ فرمایا کہ اس کو تلاوت کیجیے یعنی پڑھتے رہیے، گویا اس چیز کی تلاوت ہونی چاہیے، تاکہ اس سے بعد میں لوگ سبق لیں۔

تلاوت کے حکم کے بعد فرمایا کہ یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہے، یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ نے ایسا کہا ہے تو ہوسکتا ہے کہ کل اس کی ضرورت نہ ہو اور اللہ نے یہ صرف آج ہی کے لیے کہا ہے، بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے کہا ہے تو پھر وہ قیامت تک ہمارے لیے درس ہے اور قابل استفادہ ہے، اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ ایک طرف جہاں اس کے فرمان میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی ہے، وہیں دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہیں حفاظت کا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ملے گا، یہ سب جتنے بھی سہارے اور ٹھکانے ہیں، جن سے آدمی خود کو خطرہ و مصیبت سے بچاتا ہے، یہ سب بہت کمزور، معمولی اور وقتی سہارے ہیں، دنیا کے تمام وسائل اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیے ہیں، دنیا میں جتنے وسائل اور حفاظت کے طریقے ہیں، وہ سب اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ وہ خود بخود ہوں، ہم ان کو اختیار کریں یا نہ کریں، ہمیں سوچنا پڑے گا، نہیں! بلکہ ہمیں ان کو اختیار کرنا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اختیار کرنے کے لیے ہی بنائے ہیں، دواؤں میں جو اثر ہے اور اس کے علاوہ جو دوسرے وسائل ہیں، یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے بنائے ہوئے ہیں، یہ خود سے نہیں بنے ہیں، خود سے جو چیز بنی ہو اس کی حیثیت دوسری ہوتی ہے اور جو کسی نے بنائی ہو اس کی حیثیت دوسری ہوتی ہے، ظاہر ہے جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے تو وہ اس میں تصرف بھی کرسکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو بے کار اور بے اثر بھی کرسکتا ہے، اس لیے کہ یہ خود سے نہیں ہیں، بلکہ یہ تابع ہیں اور اللہ کی بنائی ہوئی ہیں، لہٰذا اگر تم ان چیزوں کا سہارا لوگے تو وہ کمزور اور ناپائیدار سہارا ہوگا اور یہ حقیقت اٹل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم کوئی اور ٹھکانہ نہیں پاسکتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اشاعت اسلام کی فکر حد درجہ دامن گیر رہتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں یہ بات تھی کہ کفار میں جو بڑے بڑے سردار ہیں، بڑے بڑے اغنیاء ہیں، جن کا قوم پر اثر ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی شخص مسلمان ہوجاتا ہے تو پوری ایک جماعت مسلمان ہوجائے گی، یعنی جتنے لوگ بھی ان کے زیر اثر ہوں گے، وہ سب مسلمان ہوجائیں گے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طبقہ کے اسلام لانے کی خاص فکر تھی، تاکہ اسلام جلدی پھیلے، اللہ تعالیٰ نے اسی ذہنیت کو مخاطب کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطاً﴾ (الکھف: ۲۸) (اور آپ ان ہی لوگوں کے ساتھ اپنے آپ کو لگائے رکھیے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی خوشنودی کی چاہت میں اور دنیا کی آرائش کی خاطر ان سے اپنی نگاہیں نہ پھیر لیجیے اور اس کی بات نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کررکھا ہے اور وہ اپنی خواہش کے چکر میں پڑا ہے اور اس کا معاملہ حد سے آگے بڑھ چکا ہے)

آیت سے پتہ چلا کہ جو بڑے بڑے لوگ آتے ہیں اور اپنی

قوم میں بہت اثر رکھتے ہیں، ان کے اسلام کی فکر نہ کی جائے، حقیقت میں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں اور اس کی نظر میں ان کی کوئی قیمت نہیں ہے، دنیا میں چاہے ان کی جو قیمت ہو اور جیسا اثر و رسوخ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا کوئی اثر نہیں ہے، لہٰذا اے نبی! آپ کو اپنی طبیعت پر جبر کرنا ہوگا۔

آگے فرمایا کہ ان کے مقابلہ میں جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اور وہ معمولی درجہ کے لوگ ہیں، ان کو آپ یوں سمجھتے ہوں گے کہ یہ خود تو ایمان لے آئے ہیں لیکن ان کا دوسروں پر کوئی اثر نہیں ہے اور چونکہ یہ لوگ اب ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا اگر ان لوگوں کی ہم زیادہ فکر نہیں بھی کرتے ہیں تب بھی یہ تو ہمارے ساتھ ہی ہیں، البتہ یہ لوگ جن کے ایمان لے آنے سے سماج پر بہت بڑا اثر پڑ سکتا ہے، ان پر کوشش و محنت کی جانی چاہیے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جو لوگ اللہ کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اللہ کی رضا کے طالب ہیں، آپ اپنی طبیعت کو ان پر مجبور کیجیے، یعنی ان کے ساتھ رہنے اور انہی کی طرف توجہ کرنے پر اپنے کو مجبور کیجیے اور اپنے اس تقاضے کو دبائیے کہ ہم کسی طرح ان بڑے لوگوں کو مسلمان کرلیں، جتنا پیغام دینا ہو اتنا پیغام دے دیجیے، جتنی بات کہنی ہو اتنی کہہ دیجیے اور اس سے زیادہ کی فکر نہ کیجیے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ طے کردیا کہ یہ کافر رہیں گے تو آپ ان کو مسلمان نہیں بنا سکتے، آپ کا کام پیغام پہنچانا اور کوشش کرنا ہے، آپ ان پر زیادہ محنت نہ کیجیے، بلکہ اپنے کو مجبور کیجیے کہ آپ ان غریبوں اور معمولی لوگوں سے وابستہ رہیں جو اللہ کو صبح و شام یاد کرتے رہتے ہیں اور دین کے کام میں لگے رہتے ہیں۔

انہی لوگوں کے متعلق مزید فرمایا کہ آپ اپنی نگاہوں کو ان لوگوں سے نہ ہٹائیے، ایسا نہ ہو کہ آپ کی نگاہیں ان سے ہٹ جائیں، یعنی ان کو کمتر سمجھیں، آپ ان کو ہرگز کمتر نہ سمجھئے، یہ لوگ اللہ کی نظر میں برتر ہیں اور جن کو دنیا برتر دیکھ رہی ہے، اللہ کی نظر میں وہ کم تر ہیں، لہٰذا آپ کا رویہ بھی یہ ہونا چاہیے کہ اِن کو آپ برتر سمجھیں اور اُن کو کمتر سمجھیں، البتہ جہاں تک دعوت دینے کی بات ہے وہ ضرور دیں، اِن کو بھی دیں اور اُن کو بھی دیں، لیکن اتنا یاد رہے کہ ان لوگوں سے آپ کی نگاہیں نہیں ہٹنی چاہئیں، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ دنیا کی جو خوبیاں اور دنیا کی جو پرکشش باتیں ہیں، ان کی طرف آپ کی نگاہ چلی جائے اور پرکشش باتیں کیا ہیں؟ یعنی جو لوگ بااثر ہیں، جو دنیا چلا رہے ہیں، جن کا لوگوں پر اثر ہے اور جو طاقتور ہیں، ان سے آدمی زیادہ امید قائم کرلے اور جو لوگ کمزور ہیں، ان پر آدمی کو زیادہ توکل نہ ہو، اسی کے پیش نظر فرمایا گیا کہ یہ دنیا کی جو زینت ہے یعنی دنیا میں جو ایک کشش اور اثر ہے، اس کی طرف آپ بالکل بھی ارادہ نہ فرمائیں۔ اس کے بعد دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے ہٹا دیا ہے تو اس کا دل اللہ کی یاد سے ہٹ گیا ہے، یہاں یہ دھیان رہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی اجازت ہی سے ہٹا ہے، چونکہ ہر چیز اللہ کرتا ہے تو اللہ اس بات کو اپنی طرف ہی منسوب کرتا ہے کہ ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے ہٹا دیا ہے، آپ اس کی بات نہ مانیے۔

آیت میں جس بات کے ماننے سے منع کیا جا رہا ہے، وہ یہ تھی کہ وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں، لیکن ہمارے لیے ایک مشکل یہ ہے کہ آپ نے اپنے پاس ان معمولی اور گھٹیا لوگوں کو جمع کر رکھا ہے، جن کو ہم کچھ بھی خاطر میں نہیں لاتے ہیں، تو ہم آپ کے پاس کیسے بیٹھیں؟ پہلے آپ ان لوگوں کو ہٹائیے پھر ہم سے بات کیجیے، ایسی صورت میں آپ ﷺ کو بھی خیال ہونے لگا کہ اگر اس طریقہ سے ان تک دین کی دعوت پہنچ جاتی ہے تو اگر کچھ وقت کے لیے یہ لوگ قریب نہ رہیں اور الگ رہیں تو بہت بہتر ہے۔ مذکورہ آیت میں اسی کو منع کیا گیا کہ اُن لوگوں سے یہ لوگ بہتر ہیں، آپ اُن کی بات نہ مانئے اور فرمایا کہ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے ہٹا دیا ہے، جو دین کی بات نہیں مان رہا ہے، آپ اس کی فرمائش قبول نہ کیجیے، وہ کچھ بھی کہا کریں، لیکن ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔

جاری

سچائی کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

تجارت اور راست گوئی:

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بیچنے اور خریدنے والے کو اس وقت تک بیع ختم کردینے کا اختیار ہے جب تک کہ وہ اس مجلس سے جدا نہ ہوں اور اگر وہ سچ بولے اور بیع کے عیب و ہنر کو بیان کردیا تو ان دونوں کے لین دین میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ بولے اور عیب چھپایا تو ان کے لین دین میں برکت ختم کردی جائے گی۔ (بخاری)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک معاملہ مکمل نہ ہوجائے یا جب تک مجلس ختم نہ ہوجائے، تب تک خریدنے اور بیچنے والے دونوں کو اختیار حاصل ہے، یہ شریعت کا ایک اخلاقی حکم بیان کیا جارہا ہے کہ آدمی معاملہ کررہا ہے، خرید وفروخت ہورہی ہے، تو جب تک معاملہ مکمل نہیں ہوجاتا، اس وقت تک دونوں کو اختیار ہے، زمانہ جاہلیت میں یہ ہوتا تھا کہ کسی نے کوئی چیز لی یا کسی نے پھینک کر دے دی کہ یہ چیز لو ہم نے تمہیں بیچ دی، تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ بیع ہوگئی اور معاملہ مکمل ہوگیا، اب کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے، ظاہر ہے اس میں ظلم بھی ہوتا تھا، جب کوئی زبردستی کسی کے سر کوئی چیز تھوپ دے اور وہ لینا نہ چاہتا ہو تو یہ ظلم ہی ہوا۔

اختیار کا حق:

اسلام نے یہ اختیار دیا ہے کہ جب معاملہ ہورہا ہو اور ایک دوسرے سے بات چل رہی ہو تو دونوں کو اختیار ہے، مثلاً: ہم کتاب بیچنا چاہتے ہیں اور سامنے والا شخص کہتا ہے کہ ہم خریدنا چاہتے ہیں، لہٰذا اب وہ خریدنے کی نیت سے کتاب دیکھ رہا ہے اور معاملہ بھی چل ہی رہا ہے تو ابھی اس کو پورا اختیار ہے، وہ چاہے تو لے اور ہم چاہیں تو دیں، یا بیچ میں ہم کہہ دیں کہ ہاں بیچنے کا ارادہ تو تھا لیکن اب نہیں ہے، ظاہر ہے ہمیں پورا اختیار ہے، اس لیے کہ ہمارا معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے اور بیچنے والے کا بھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا ہے، بلکہ ابھی تو بات چل ہی رہی ہے، اسی طرح اگر کتاب لینے والا کہتا ہے کہ لاؤ کتاب دیکھتے ہیں، ہوسکتا ہے ہم خرید ہی لیں، پھر وہ بولے کہ ہم نہیں لے پائیں گے اور ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں، تو جب تک معاملہ مکمل نہیں ہورہا ہے، اس وقت تک ان دونوں کو اختیار حاصل ہے، جبر بالکل جائز نہیں ہے، اس لیے کہ جبر ظلم ہے، اگر بیچنے والا شخص طاقتور ہے اور خریدنے والا بے چارہ کمزور ہے، تو وہ اس کے سر زبردستی سامان تھوپے گا کہ نہیں تمہیں یہ چیز لینا ہی پڑے گی، ایسے میں ہوسکتا ہے سامنے والا دباؤ میں آکر مجبوراً ہاں کردے، اسی لیے یہ طریقہ جائز نہیں، ہے جبر نہیں کیا جاسکتا بلکہ بیچنے والا اختیار رکھتا ہے اور خریدنے والا بھی اختیار رکھتا ہے، وہ چاہے لے اور چاہے نہ لے۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خریدنے والا طاقتور ہوتا ہے اور زبردستی لینا چاہتا ہے، وہ کسی کمزور بے چارے سے کوئی زمین لینا چاہتا ہے اور اس سے جاکر کہتا ہے کہ میاں! تمہاری فلاں زمین ہے تم بیچ دو، اب وہ بے چارہ ہکا بکا رہ جاتا ہے کہ وہ کیا کرے؟ تو لینے والا کہتا ہے کہ ارے بیچ دو، ہم جانتے ہیں یہ ریٹ ہیں، لہٰذا اتنے میں ہمیں دے دو، ایسے میں اگر خریدنے والا کوئی بڑا زمین دار یا طاقتور آدمی ہے تو بیچنے والا کمزور انسان اس سے دبتا ہے اور پریشان ہوکر زمین دے دیتا ہے، لیکن یہ جبر بھی جائز نہیں ہے، بلکہ بیچنے والے کو اختیار ہونا چاہیے، البتہ اس سے خریدنے والا اتنا کہہ سکتا ہے کہ اس زمین کے اتنے ریٹ ہیں، اگر تم چاہو تو بیچ دو، اب اگر وہ یہ جواب دے کہ اس وقت بیچنا مشکل ہے تو معاملہ ختم کردینا چاہیے، لیکن اگر یہ کہا کہ مشکل کیسے ہے، تمہیں زمین دینا ہی پڑے گی، تو اسلام میں یہ جبر جائز نہیں ہے۔

اختیار کے حدود:

مذکورہ حدیث کی اصل حقیقت یہی ہے کہ اسلام میں جبر کو منع

کیا گیا ہے اور جب تک بیع مکمل نہ ہوجائے تب تک اختیار دیا گیا ہے، البتہ جب بیع مکمل ہوگئی اور معاملہ مکمل ہوگیا تو اب اس کے بعد اختیار ختم، اس لیے کہ اگر بعد میں بھی اختیار دیا جائے گا تو جھنجٹ کھڑا ہوجائے گا، جو چیز بیچ دی گئی، خریدنے والے نے خرید لی اور معاملہ ختم ہوگیا اور انہوں نے اپنا کام بھی شروع کردیا، پھر اب بعد میں جا کر بیچنے والا کہے کہ ہم نے زمین غلط بیچ دی، ہم واپس لینا چاہتے ہیں، تو اب یہ درست نہیں ہے، اس لیے کہ وہ بیچ چکا ہے اور دوسرا خرید چکا ہے، اب معاملہ آگے بڑھ گیا، لہٰذا اب اگر اس طرح کی اجازت دی جائے گی تو سارا کاروبار فیل ہوجائے گا، لیکن جب تک معاملہ مکمل نہ ہو اس وقت تک کی اجازت ہے، اس پر جبر نہیں ہے، بیچنے والے کو بھی اجازت ہے اور خریدنے والے کو بھی اجازت ہے۔

سچائی کی برکت:

حدیث شریف میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر بیچنے اور خریدنے والا دونوں سچ بولتے ہیں اور بات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی بیع اور ان کے کاروبار میں برکت عطا فرمائے گا اور اگر وہ چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اس کاروبار کی برکت کو مٹادے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ آدمی سامان کے نقص کو چھپاتا ہے، کپڑے والا کپڑا بیچ رہا ہے، لیکن اگر اس کا کپڑا کہیں سے کٹ جائے تو تھان کا تھان بیچ دیتا ہے اور اندر کٹا ہوا کپڑا چھپالے جاتا ہے، پھر بڑا خوش بھی ہوتا ہے کہ ہمارا کام بن گیا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کام بگڑ گیا، ایک تھان بیچ کر کتنا فائدہ کمالے گا، حالانکہ جب کاروبار کی برکت اللہ کے یہاں سے اٹھالی جائے گی تو کیا کمائے گا اور اس کمائی میں کیا برکت ہوگی، لیکن افسوس کہ ایمان والا انسان اس بات کو نہیں جانتا، اسی لیے یہ حکم دیا گیا ہے کہ آدمی کاروبار کرے، دوکان سجا کر بیٹھے اور سچ سچ بات کرے، جو بھی چیز بیچ رہا ہے اگر اس میں کوئی برائی ہے، یا کوئی عیب ہے تو اس کو بیان کردے کہ اس میں یہ خرابی ہے اور اس کے اعتبار سے یہ چیز اتنے کی ہے۔

امانت داری کی مثال:

تاریخ اسلام میں امانت ودیانت داری کے بے شمار واقعات ہیں، ایک کسی بڑے امام کا واقعہ ہے کہ انہوں نے کوئی چادر بیچی، بعد میں ان کو اندازہ ہوا کہ وہ چادر اتنے دینار کی نہیں تھی جتنے کی بیچ دی، گویا بیع مکمل ہونے کے بعد انہیں یہ احساس ہوا کہ ہم نے چادر غلط بیچ دی، لہٰذا وہ اس شخص کے گھر گئے اور اس سے کہا کہ تم نے اتنے پیسے زیادہ دے دیے، حالانکہ یہ چادر اس سے کم کی تھی، لہٰذا اتنے دینار واپس لے لو، یہ امانت داری دیکھ کر وہ شخص ہکا بکا کھڑا رہ گیا کہ بیع مکمل ہوگئی تھی اور دام بھی مناسب تھے، پھر آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اتنے زیادہ پیسوں پر اطمینان نہیں تھا۔

شرعی حکم:

شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ آدمی جو کاروبار بھی کرے اس میں کسی کو دھوکہ نہ دے، بلکہ جو بات ہے وہ سیدھی سیدھی بیان کردے، لوگ زمین کا کاروبار کرتے ہیں، اس میں نہ جانے کتنا دھوکہ دیتے ہیں، زمین جھگڑے والی ہوتی ہے اور جا کر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی جھگڑا نہیں ہے، آپ لے لیجیے کوئی مسئلہ نہیں ہے، لیکن ایک سیدھا انسان اس زمین کو لے کر بعد میں مصیبت میں پڑ جاتا ہے، شرعی نقطہ نظر سے یہ عمل حرام ہے، اگر اس طرح کوئی شخص لوگوں کو پھنساتا ہے تو جائز نہیں ہے، بلکہ جو بات ہے اس کو کھل کر بیان کرنا چاہیے کہ یہ کس طرح کی زمین ہے، مثلاً: نزول کی زمین ہے، یا اس میں حصے دار ہیں، اس کے کاغذات کیسے ہیں، وہ کاغذات جعلی تو نہیں ہیں، غرض کہ جو بات بھی ہے وہ سچی سچی بیان کرنا چاہیے، اگر بیان نہیں کی تو یہ اللہ کے یہاں پکڑ اور گناہ کی بات ہے، اس سے کاروبار کی برکت مٹ جائے گی، ظاہر میں انسان یہی سمجھتا رہے گا کہ لاکھوں کمالیے، لیکن یہ لاکھوں کام نہیں آئیں گے، وہ دنیا میں چاہے ان سے کچھ دن فائدہ اٹھالے، لیکن آخرت میں کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا، اسی لیے یہ حکم ہے کہ آدمی جو کاروبار کر رہا ہے، خواہ وہ کسی بھی قسم کا ہو، بس معاملہ صاف صاف ہونا چاہیے۔

صبر، نماز اور شہادت

عبدالسبحان ناخداندوی

شرعی احکامات پر عمل کے دوران جو مشکلات پیش آئیں، ان کا مقابلہ نماز اور صبر سے کرنے کا قرآن مجید میں حکم ہے، ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ☆ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ﴾ (البقرة: ۱۵۳-۱۵۴)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نماز اور صبر کے ذریعہ (اللہ سے) مدد چاہو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، جو لوگ اللہ کے راستہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو، حقیقت یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں احساس نہیں ہوتا ہے)

جب بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ ہو رہا تھا اس وقت ان کو بھی ان ہی دو بنیادی چیزوں کے ذریعہ اللہ سے مدد چاہنے کا تذکرہ ہوا تھا: ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ لیکن بنی اسرائیل کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو نظر آئے گا کہ ان میں صبر نام کی کوئی چیز تھی ہی نہیں، خود حضرت موسیٰ نے ان سے کہا تھا: ﴿قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ☆ قَالُوا أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَمِن بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ (جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو، زمین بلاشبہ اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے، اصل عاقبت تو متقین کے لیے ہے) قوم (اس کے جواب میں) کہنے لگے (موسیٰ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم تکلیف میں تھے اور تمہارے آنے کے بعد بھی)

اللہ کی طرف سے زبردست احسان کے طور پر من وسلوی اترنے لگا تو کہنے لگے: ﴿لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ﴾ (ہم اس ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے) یہ ان کی عمومی تاریخ ہے، البتہ ان میں صبر واستقامت والے حضرات بھی پیدا ہوتے رہے، اللہ نے ان کو امامت سے نوازا: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا﴾ (ہم نے ان میں پیشوا وامام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کا کام کرتے تھے جب انہوں نے صبر کیا) یہاں صبر استقامت کے مفہوم میں ہے، اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعون کی طرف سے بے پناہ مصیبتیں برداشت کیں، وہ مظلوم تھے، اس مظلومانہ صبر کے نتیجہ میں اللہ نے ان کی نجات کا فیصلہ فرمایا: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا﴾ (آپ کے رب کا بہترین فیصلہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا جب انہوں نے صبر کیا) یہاں ان کی مظلومی کا بیان ہے، باقی جب راہ حق میں دکھانے کا موقع آیا تو ان میں نہ نماز رہی نہ صبر کی کیفیات رہیں، ان ہی کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ﴾ (ان کے بعد (یعنی ان انبیاء اور ان کے سچے متبعین کے بعد) کچھ ایسے ناخلف جانشین ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اور خواہشات کے پیچھے پڑ گئے)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کو ضائع کرنا، بے نمازی ہونا ہے اور خواہشات کی پیروی کرنا صبر کو چھوڑ دینا ہے۔

بنی اسرائیل کی پوری تاریخ بیان کر کے ملت ابراہیمی کی امانت ونعمت اس امت کے سپرد کر کے ان کو یہ نصیحت کی جا رہی ہے کہ یہ راستہ نسبۃً پر مشقت ہے، لیکن اس کا انعام بھی بہت بڑا ہے، اس لیے نماز وصبر کے ذریعہ مدد حاصل کرتے رہنا، صبر چاہے مظلومانہ ہو یا استقامت سے لبریز، دونوں صورتوں میں اللہ تمہارے ساتھ رہے گا، بھلے کسی کا ساتھ ملے نہ ملے، بنیادی طور پر صبر طاعات پر جمے رہنے، معاصی سے بچتے رہنے اور مصیبتوں کو برداشت کرنے کا نام ہے، جسے عربی میں "الصبر على الطاعات، الصبر عن المعاصي، الصبر على الشدائد" کہتے ہیں، اللہ سے وفاداری کے عہد میں کون کتنا سچا ہے، یہ معلوم کرنے کے لیے اللہ کی طرف سے مختلف آزمائشیں ہوتی رہتی ہیں، وہی اصل میں جمنے اور استقامت کا وقت

ہوتا ہے، عام حالات میں انسان جو جدو جہد کرتا ہے، جو اجتماعی طور پر ہو تو جہاد فی سبیل اللہ اور انفرادی و ذاتی طور پر ہو تو مجاہدہ کہلاتی ہے، وہ سب صبر میں داخل ہے، اسی طرح مظلومی کی حالت میں ظلم سہنے کے باوجود اپنے دین پر وابستہ رہنے کی کیفیت کو بھی صبر کہا جاتا ہے، یہ امتحان اللہ کی طرف سے اکثر و بیشتر ضرور ہوتا ہے، اچھوں کا امتحان ذرا سخت ہوتا ہے اور عام مسلمانوں کا کچھ نرم، اس میں اللہ یہ چاہتا ہے کہ سب کھرے اتریں: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ﴾ (کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے جب کہ ابھی تک اللہ نے یہ معلوم نہیں کیا ہے کہ تم میں سے جہاد و مجاہدہ کرنے والے کون ہیں اور ان کو بھی وہ جان لے گا جو صبر کرنے والے ہیں)

ان اللہ مع الصابرین؛ جو لوگ کسی بھی حالت میں الٹے پاؤں واپس نہیں پلٹتے ہیں، اپنے اصل مقصد سے کبھی انحراف نہیں کرتے، اللہ کے لیے بڑے سے بڑے فائدے سے محروم ہونے یا بڑے سے بڑا نقصان برداشت کرنے کو گوارا کرتے ہیں، وہ صابر ہیں، وہ ہمیشہ اللہ کو اپنے ساتھ پاتے ہیں، پھر وہ ہر نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر شہادت کی زندگی بسر کرتے ہیں، یا پھر شہادت کی موت کو گلے لگاتے ہیں، حقیقت میں زندگی کی آبرو ان ہی کے دم قدم سے قائم ہے، زندگی کا مزہ بھی یہی لوگ پاتے ہیں، موت سے پہلے بھی اور موت کے بعد بھی، اسی لیے اللہ کے راستے میں جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کو مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے، وہ شہید ہیں اور شہید ہمیشہ زندہ ہوتا ہے، البتہ یہ زندگی دنیاوی زندگی کی طرح نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے بطور انعام ملنے والی خاص پر لطف زندگی ہے جس کا تصور ہم نہیں کر سکتے، باقی دنیاوی لحاظ سے ان پر موت کا حکم لگایا جائے گا، ان کی میراث تقسیم ہوگی، روح ان کی بھی نکل جاتی ہے، جسم ان کا بھی اسی طرح بے جان ہو جاتا ہے، جس طرح عام مرنے والوں کا ہوتا ہے، یہاں ادباً اور احتراماً ان کو مردہ نہ کہنے کا حکم ہے، اور یہ بتانے کے لیے بھی کہ عالم برزخ میں ان کو جس طرح کی خاص زندگی نصیب ہوتی ہے، وہ عام مرنے والے مؤمنین سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

"ان اللہ مع الصابرین" کے معاً بعد اس آیت کے لانے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تم جس راہ کے مسافر ہو وہاں جان کا نذرانہ پیش کرنے کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے، شہادت کی زندگی بسا اوقات شہادت کی موت تک بھی لے جاسکتی ہے، اسے موت نہ سمجھنا وہ خود ایک پر بہار زندگی ہے، رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے اندر ہوں گی، جنت میں جہاں چاہیں گی چرتی پھریں گی، پھر ان قندیلوں میں آکر بسیرا کریں گی جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں، اللہ ان پر نظر فرمائے گا اور دریافت کرے گا؛ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: پروردگار عالم! ہم اور کیا چاہیں، تو نے ہمیں وہ دیا ہے جو اپنی مخلوق میں کسی کو نہیں دیا، اللہ کی طرف سے پھر پوچھا جائے گا، جب وہ دیکھیں گے کہ جب تک اللہ سے کچھ مانگا نہ جائے ان سے پوچھا جاتا رہے گا تو وہ یہ کہیں گے؛ پروردگار عالم! ہم یہ چاہتے ہیں کہ تو دوبارہ ہمیں دنیا میں بھیج دے، تاکہ ہم تیرے راستہ میں لڑ کر ایک مرتبہ پھر شہید ہو جائیں، شہادت کا ثواب دیکھ کر وہ یہ تمنا کریں گے۔ (واضح رہے یہاں تمنا حسرت کے لیے نہیں بلکہ لطف و عزت کے طور پر ہوگی) اللہ رب العزت فرمائے گا میں نے یہ بات لکھ دی ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹیں گے، یعنی دوبارہ ان کو دنیاوی آزمائش میں مبتلا نہیں کیا جائے گا، دوبارہ شہادت سے وہ جس مزید ثواب کی تمنا کریں گے، ایک ہی شہادت سے ان کی وہ ساری تمنائیں پوری کر دی جائیں گی، اس کے لیے بار بار شہید ہونے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس صحیح روایت سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کے لیے عالم برزخ میں سے جنت کے کچھ مزے حاصل ہونے شروع ہو جائیں گے، باقی بھرپور جنت قیامت قائم ہونے کے بعد ملے گی، کچھ اس سے ملتی جلتی زندگی عام اہل ایمان کو بھی حاصل ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کی روح ایک پرندہ بن کر جنت کے درختوں کو چرتی پھرے گی اور ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ جنت کے درختوں کے پھلوں کو کھائے گی۔

عشر کے شرعی احکام

مفتی راشد حسین ندوی

جس طرح سونا چاندی اموال تجارت اور نقدی پر زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اور چونکہ زمین پر ہونے والی پیداوار پر واجب ہونے والی زکوٰۃ عشر (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) ہوتی ہے، اس لیے اس کا نام ہی عشر رکھ دیا گیا۔

پھر جس طرح زکوٰۃ فرض ہے، اسی طرح عشر بھی فرض ہے، اس کا حکم قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور احادیث میں بھی آیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ﴾ (البقرۃ: ۲۶۷) (اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور اس پیداوار میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہے) مفسرین نے اس سے عشر مراد لیا ہے۔ (احکام القرآن للجصاص)

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ (الأنعام: ۱۴۱) (اور فصل کاٹتے وقت اس کا حق دو)

یہاں بھی مفسرین نے عشر یا نصف عشر مراد لیا ہے اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو زمین بارش سے اور چشموں سے سیراب ہو یا (جڑوں کے ذریعہ خود سے) سیرابی حاصل کر لیتی ہو اس میں عشر (دسواں حصہ) واجب ہے اور جو اونٹ (یا دوسرے مصنوعی ذرائع جیسے ٹیوب ویل وغیرہ کے) ذریعہ سینچی جائے تو اس میں نصف عشر بیسواں حصہ ہے۔ (بخاری، کتاب الزکاۃ: ۱۴۸۳)

کس زمین میں عشر ہوگا؟

عشر صرف عشری زمین پر واجب ہوتا ہے، خراجی زمین پر واجب نہیں ہوتا، عشری ان زمینوں کو کہا جاتا ہے جو مسلمانوں نے کافروں سے فتح کر کے حاصل کی ہو اور اسے بطور مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا ہو، یا مسلمان حاکم نے بطور جاگیر دی ہو اور اس وقت سے اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں چلی آ رہی ہو۔

چنانچہ خراجی زمینوں پر عشر نہیں ہوتا اور خراجی زمینیں وہ ہیں جن کو مسلمانوں نے فتح کر کے حاصل تو کیا ہو لیکن ان کو بطور احسان مالکوں کے پاس خراج مقرر کر کے چھوڑ دیا ہو، یا وہ زمین جس کو مسلمان نے کافر سے خریدا ہو۔ (فتاویٰ خانیہ: ۱/۲۷۰-۲۷۱)

اس زمین کو مسلمان کافر سے خرید بھی لے تب بھی اس پر عشر واجب نہیں ہوتا۔ (تاتارخانیہ: ۷/۱۳۲)

جہاں تک ہندوستان کی زمینوں کی حیثیت کا تعلق ہے تو بعض علماء سب کو خراجی قرار دیتے ہیں، اس لیے کہ خاتمہ زمین داری کے بعد حکومت نے زمین داروں سے ضبط کر لی تھی اور کاشت کاروں و زمین داروں پر تقسیم کر دی تھی، لہٰذا وہ کافروں سے حاصل ہونے والی زمین کے حکم میں ہو گئی ہے اور اس پر نہ عشر لازم ہوگا نہ خراج، اس لیے کہ سرکاری ملکیت والی زمین میں دونوں میں سے کوئی بھی چیز واجب نہیں ہوتی۔

(کتاب المسائل: ۲/۱۶۶، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ وشامی)

لیکن حضرت تھانویؒ، مفتی شفیعؒ، مولانا خالد سیف اللہ اور جمہور علماء کے نزدیک جو زمینیں کافروں سے خریدی جائیں ان پر خراج واجب ہے، بقیہ مسلمانوں کی تمام زمینوں پر عشر واجب ہے، بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ غیر مسلموں سے خریدی گئی زمینوں کا بھی عشر نکال دیا جائے، فقہ اکیڈمی کی چند تجاویز (چھٹا فقہی سیمینار) ملاحظہ ہو:

(۱) ہندوستان میں مسلمانوں کی زرعی زمینوں کے متعلق یہ خیال کہ نہ ان میں عشر واجب ہے نہ خراج، درست نہیں ہے۔

(۲) ہندوستان کی زمینیں مندرجہ ذیل صورتوں میں بالاتفاق عشری ہیں:

(الف) مسلمان حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کردہ زمینیں جواب تک مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہیں۔

(ب) جس علاقہ کے لوگ مسلم حکومت کے قیام سے پہلے بہ خوشی مسلمان ہوگئے ہوں اور ان کی زمینیں ابھی تک مسلمانوں ہی کے پاس چلی آرہی ہیں۔

(ج) جو زمینیں عرصہ دراز سے مسلمانوں کے پاس ہیں اور تاریخی طور پر ان کا خراجی ہونا ثابت نہیں ہے۔

(۳) جو زمینیں غیر مسلم حکومت یا افراد سے کسی مسلمان کو حاصل ہوئی ہوں، ان کے بارے میں شرکاء سیمینار کی رائیں مختلف ہیں، بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان کی تمام زمینیں عشری ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں خراج واجب ہے، تاہم اس پر اتفاق ہے کہ احتیاط تمام ہی زمینوں میں عشر ادا کرنے میں ہے۔ (نئے مسائل: ۷۲-۷۳، نیز دیکھئے: جواہر الفقہ: ۲/۲۶۶، جدید فقہی مسائل: ۱/۲۳۱، فتاویٰ رحیمیہ: ۹/۱۱۰)

خلاصہ کلام یہ کہ زمین عشری ہو تب تو عشر نکالنا واجب ہے ہی، عشری ہونا مشکوک ہو یا خراجی ہونا طے ہو تب بھی اکثر علماء کے نزدیک احتیاط عشر نکالنے میں ہے۔ واللہ اعلم

کس زمین میں دسواں حصہ نکالنا ہے اور کس میں بیسواں حصہ واجب ہے؟

عشر نکالنے کے لیے شریعت نے کوئی نصاب مقرر نہیں کیا ہے، کسی کے پاس زمین کم ہو یا زیادہ، پیداوار کم ہو یا زیادہ، زمین کا مالک عاقل بالغ ہو یا مجنون اور نابالغ اگر مسلمان ہے تو ہر طرح کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا، سوائے گھاس اور سرپت جیسی ان چیزوں کے جن کو نفع حاصل کرنے کے لیے نہیں لگایا جاتا، حتی کہ اگر نفع حاصل کرنے کے لیے سرپت اور گھاس جیسی چیزوں کو لگایا جائے تو ان پر بھی عشر واجب ہوگا، چنانچہ اگر نفع حاصل کرنے کے لیے بانس یا یوکلپٹس کے درخت لگائے تو جب بھی ان کو کاٹے ان پر عشر واجب ہوگا۔ (شامی: ۲/۵۳-۵۵، بدائع: ۲/۱۷۳)

اور سنچائی اگر بارش یا ندی وغیرہ کے پانی سے بغیر محنت کیے ہو جاتی ہو تو دسواں حصہ (عشر) واجب ہوگا، لیکن اگر سنچائی کے لیے رقم لگتی ہو یا محنت پڑتی ہو، جیسے ٹیوب ویل یا رہٹ وغیرہ سے سنچائی کی جارہی ہو تو بیسواں حصہ واجب ہوگا یعنی نصف عشر۔ (شامی: ۲/۵۴-۵۵)

کرایہ پر دی ہوئی زمین کا عشر:

کرایہ پر دی ہوئی زمین کا عشر مفتیٰ بہ قول کے مطابق کرایہ پر لینے والے پر ہوگا۔ (شامی: ۲/۶۰)

بٹائی والی زمین کا عشر:

اگر بٹائی والی زمین مسلمان کی ہے اور مسلمان ہی نے لی ہے تو دونوں پر ان کے حصہ میں عشر واجب ہوگا۔ (بدائع: ۲/۱۷۴)

عاریت پر لی ہوئی زمین کا عشر:

اگر زمین کسی مسلمان کو عاریت پر دی تو اس کا عشر عاریت پر لینے والے کاشت کار پر ہوگا اور اگر کسی غیر مسلم کو دی تو پیداوار کا عشر زمین دینے والے پر ہوگا۔ (شامی: ۲/۶۰)

اخراجات کو منہا نہیں کیا جائے گا:

کھیتی پر کھاد اور دواؤں پر بھاری خرچ آتا ہے، لیکن اس پر ہونے والے ان اخراجات کو کاٹا نہیں جائے گا، کل پیداوار پر عشر ہوگا، اسی طرح گنے اور سبزیوں وغیرہ جیسی تمام طرح کی پیداوار نیز پھلوں پر عشر ہوتا ہے، ان کے لانے لے جانے پر بھی مصارف آتے ہیں، ان مصارف کو بھی کاٹا نہیں جائے گا۔ (بدائع: ۲/۱۸۵، نیز دیکھئے: نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۷۹)

استعمال سے پہلے عشر نکالنا ضروری ہے:

پیداوار میں عشر نکالنے سے پہلے عشر نکالنا چاہیے اور اگر فروخت کرلیا ہے تو اس کی قیمت سے پہلے عشر نکالے پھر استعمال کرے۔ (شامی: ۲/۵۸)

مولانا علی میاں کا قرآنی ذوق

محمد ارمغان بدایونی ندوی

''جایئے دولتِ قرآن مبارک ہو۔''

(حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا خاص موضوع قرآن مجید تھا، جس کا ذوق ان کے رگ وریشہ میں سرایت کیا ہوا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں عربی زبان کا وہ خداداد ذوق حاصل تھا، جو صرف اہل زبان میں بھی ان کو نصیب ہوتا ہے جن میں فطری اور وجدانی ذوق موجزن ہو، حضرت مولانا نے اپنے اس ذوق کو وسیع وعمیق مطالعہ سے جلا بخشا تھا، اس پر مستزاد یہ کہ انہیں ایسے باذوق اور صالحین کی صحبت میسر آئی جن کی زندگیاں قرآن مجید کی عملی تفسیر کی منھ بولتی تصویر تھی، مولانا کے دل میں قرآن مجید کی محبت کا سب سے پہلا نقش تو اسی وقت قائم ہوگیا تھا جب کم سنی میں والدہ ماجدہ کی آغوش میں دردوسوز میں ڈوبی ان کی تلاوت سنا کرتے تھے، پھر دل کی اس نرم زمین میں بوئے گئے بیج کو پروان چڑھنے کا زریں موقع تب ملا جب انہوں نے شیخ خلیل عربؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور باقاعدہ عربی زبان کی تعلیم کا آغاز ہوا، شیخ خلیل عرب قرآن مجید کا محض پاکیزہ ذوق ہی نہیں بلکہ ذائقہ بھی رکھتے تھے، وہ جب بھی تلاوت کرتے تو آواز گلوگیر ہوجاتی، بالخصوص چند منتخب رکوعات کو بڑے جوش اور لطف سے پڑھتے تھے، حضرت مولانا کو بھی اپنے محبوب استاد سے اس ذوق کا وافر حصہ ملا تھا، وہ اپنے مطالعہ قرآن کی سرگزشت میں لکھتے ہیں:

''عرب صاحب کا پر درد اور پر تاثیر لہجہ گویا کان میں گونج رہا ہے، عرب صاحب سے سنتے سنتے ہم کو بھی یہ رکوع اچھے معلوم ہونے لگے اور اس طرح سے قرآن مجید سے ایک ذوقی تعلق پیدا ہوا۔''

(میری علمی ومطالعاتی زندگی:۸)

لاہور کے قیام میں حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی درسی مجالس اور ان کے فیض صحبت سے حضرت مولاناؒ نے خوب استفادہ کیا، حضرت مولانا خود فرماتے ہیں کہ حضرت لاہوری کا درس بڑی محنت اور قوی حافظہ کا طالب ہوتا تھا، ہر رکوع کا خلاصہ اور اس کے مآخذ یاد کرنا پڑتے تھے، پھر نئے درس سے قبل اس کو مولانا سندھی کے ہی مقرر کیے ہوئے الفاظ میں سنانا بھی ضروری تھا، اس زمانہ میں حضرت مولانا کی قرآن مجید پر غیر معمولی محنت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ حضرت لاہوری کے ممتاز ترین طلبہ میں شمار ہوئے اور جب دہلی سے خواجہ عبدالحی فاروقی، حضرت لاہوری کی دعوت پر ان کے طلبہ کی کاپیاں چیک کرنے آئے تو انہوں نے حضرت مولانا کو امتیازی نمبرات دیے جو تقریباً ستر یا اس سے کچھ اوپر تھے، لیکن دیگر رفقاء نے اس پر ایک احتجاجی جلسہ کیا، یہاں تک کہ حضرت لاہوری نے بنفس نفیس کاپیاں چیک کرنے کا اعلان کیا، بقول حضرت مولانا:

''قسمت کی بات کہ جب انہوں نے کاپیاں دیکھیں تو سب شرکائے امتحان کے نمبروں میں تھوڑا اضافہ کیا اور میرے نمبر بڑھا کر اٹھانوے کردیے۔'' (کاروان زندگی:۱/۱۳۳)

حضرت مولانا نے دیوبند کے قیام میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بھی قرآن مجید کے مشکل مقامات کے حل میں خصوصی رجوع فرمایا۔ علاوہ ازیں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی صحبت میں رہ کر ان کے مطالعہ قرآن سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔

حضرت مولاناؒ نے اپنے علمی ومطالعاتی سفر میں مختلف وقیع تفاسیر سے نفع اٹھایا، مثلاً: شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی بعض مختصر تفسیریں، مولانا حمید الدین فراہی کے رسائل، تفسیر جلالین، بغوی کی معالم التنزیل اور زمخشری کی کشاف وغیرہ، پھر جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مسند درس سنبھالی تو اس زمانہ میں علامہ آلوسی کی روح المعانی، ابوحیان کی البحر المحیط اور علامہ رشید رضا کی تفسیر المنار کا بھی مطالعہ کیا اور بعد میں تفسیر طبری سے خصوصی دلچسپی بھی قابل ذکر ہے۔

جدید معلومات وتحقیقات کے تناظر میں قرآنی اعجاز کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کرنے میں حضرت مولانا نے مولانا عبدالماجد

دریابادیؒ کی تفسیر ماجدی سے بھی خوب استفادہ کیا، نیز اردو تراجم وحواشی میں حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے تراجم وحواشی کو حضرت مولانا بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت مولانا کا یہ ایک امتیازی وصف ہے کہ وہ اپنے علمی ومطالعاتی سفر میں کسی مخصوص طرز فکر یا مخصوص نظریہ سے متاثر نہیں ہوئے، بلکہ عربی زبان میں مہارت کی وجہ سے قرآن مجید کا اعجاز، وجدانی وذوقی طور پر خود محسوس ہونے لگا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے براہ راست قرآن مجید کے معانی ومفاہیم سمجھنے کی کوشش کی اور ان کی زندگی کا قرآن سے وہی تعلق ہوگیا جو جسم کو روح سے ہوتا ہے، مطالعہ قرآن کی سرگزشت میں ان کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

''عربی زبان وادب کے اشتغال کا یہ فیض کچھ کم فیض نہیں کہ اس سے قرآن مجید کا صحیح ذوق پیدا ہوا اور اس کا سارے ادبی ذخیرہ میں نرالا پن اور البیلا پن صاف نظر آنے لگا۔'' (ایضاً:۱۰)

حضرت مولانا نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مختلف درجات میں تقریباً دس سال قرآن مجید کا درس دیا، یہ درس وہبی صلاحیت اور خداداد ذہانت کا حقیقی آئینہ دار ہوتا تھا، جس میں فکر ولی اللہی اور خاندانی بزرگوں کی خصوصیات صاف طور پر جھلکتی تھیں، دوران درس حضرت مولانا کا ربط آیات اور طرز استدلال، قرآن مجید پر ان کے حد درجہ اعتماد اور گہرے شغف کا راز صاف طور پر بیان کرتا تھا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے شہر لکھنؤ میں ''ادارۂ تعلیمات اسلام'' اور ''مرکز دعوت وتبلیغ'' میں سالہا سال درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا، یہ دروس دانشور طبقہ کے لیے انتہائی مفید ومؤثر ہوتے تھے، جن میں قرآنی آیات کو موجودہ معاشرہ پر منطبق کرکے ایسے بیان کیا جاتا تھا جیسے ان آیات کا نزول اسی مقصد کے لیے ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان دروس میں تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک بڑی تعداد بڑے جوش وخروش سے شریک ہوتی تھی، حضرت مولانا رقم طراز ہیں:

''درس کے وقت اگر لکھنؤ میں کسی دینی ذوق رکھنے والے مسلمان افسر یا اعلیٰ عہدیدار کو تلاش کیا جاتا تو شاید جواب یہی ملتا کہ وہ اس وقت ادارہ تعلیمات اسلام کے درس قرآن میں ہوں گے۔'' (کاروان زندگی:۱/۲۷۴)

حضرت مولانا کے ذوق قرآنی کا یہ عالم تھا کہ وہ اسٹیج پر خالی الذہن بیٹھے ہوتے پھر جب جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوتا تو انہی آیات کی روشنی میں اپنی پوری بات کہتے اور ایسے نکات بیان کرتے جن کی طرف متقدمین یا متاخرین کی نگاہ تک نہ گئی ہو، مثلاً:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾ اس آیت کی تشریح میں حضرت مولانا نے بیان کیا کہ یہاں انسانی اور عادلانہ اخوت قائم کرنے کا حکم نہ ان رومیوں کو ہے جو آدھی دنیا کے مالک تھے اور نہ ایرانیوں کو ہے جنہوں نے رومن امپائر کے ساتھ دنیا پر قبضہ جمارکھا تھا، بلکہ یہ خطاب صحابہ کی مٹھی بھر جماعت سے ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ

''امت مسلمہ کی حیثیت اور وزن ''قدر وقیمت'' ہے نہ کہ ''قد وقامت'' اس کی حیثیت اور اس کا مقام اپنے ایمان، عقائد، مکارم اخلاق، بیدار ضمیر اور جسم میں سرایت کیے ہوئے شعور ووجدان اور عقل وتدبر پر اثر ڈالنے والی اس بے تاب وبے چین روح سے ہے جو اس کو عطا کی گئی۔'' (کاروان زندگی:۳/۱۰۲)

﴿بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ﴾ اس آیت میں حضرت مولانا نے ''ادارك علمهم'' کا ترجمہ ''ان کا علم پنکچر ہوگیا ہے'' کیا ہے، اس کے بعد اہل مغرب کی تحقیقات اور ان کے علم سے متعلق یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ

''وہ علم جو اچھا خاصا چل رہا تھا، اطمینان سے سفر طے کرکے آیا تھا، جس نے عقلیات پر، طبیعات پر، ریاضیات پر اور مابعد الطبیعات تک میں اپنی فکر کی جولانی اور ذہن کی تابانی دکھائی، وہی علم جب واجب الوجود کی ذات وصفات تک پہنچا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اچانک پہیہ سے ہوا نکل گئی۔'' (کاروان زندگی: ۳/۲۲۳-۲۲۴)

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ ایک موقع پر حضرت

مولانا نے اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرات انصار کو اسلام کے متعلق اطمینان ہوگیا تو انہوں نے یکسو ہوکر اپنی تجارت کی طرف متوجہ ہونے کا ارادہ کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی کہ جب دین کو تمہاری مدد اور جانثاریوں کی ضرورت ہے تو ایسے وقت میں لمحہ بھر کی غفلت بھی سم قاتل ہے، اس کے بعد حضرت مولانا نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے موجودہ حالات کے تناظر میں فرمایا:

''مسلمانوں کا ذہن انفرادی ہے اجتماعی ہونا چاہیے، یعنی ملت کے تقاضوں کو دیکھنا چاہیے کہ اگر ہر شخص صرف اپنے اپنے تقاضوں کو دیکھنے لگے تو دین کی خدمت کہاں سے ہوگی۔'' (روداد چمن:۲۳۲)

اسی طرح حضرت مولانا نے اپنی تقریروں اور درس قرآن کی محفلوں میں سورۂ بقرہ کی آیت ﴿مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِیْ﴾ کے ضمن میں نئی نسل کے ایمان کی حفاظت کے متعلق دل کا جو درد بیان کیا ہے وہ پوری ملت کے لیے ایک سنہرا پیغام ہے، ایک مرتبہ فرمایا:

''یہی ہر مسلمان کی شان ہونی چاہیے، اپنے متعلق بھی ہمیشہ ڈرتا رہے، اپنے ایمان کی خیر مناتا رہے، اسی لیے دعا کرتا رہے کہ ہمارا ایمان سلامت رہے، ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو اور اپنی اولاد کے متعلق بھی اطمینان حاصل کرلے، یہ ہماری زندگی میں بھی اور ہمارے بعد بھی اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے آستانہ پر سر نہیں جھکائے گی'' (تحفۂ مشرق:۵۰)

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کو مسلسل قرآنی اشتغال کے سبب ایسا ذائقہ نصیب ہوا تھا کہ وہ قرآن فہمی کی دولت سے بخوبی مالا مال تھے، ان کی تمام تحریریں اور تقریریں قرآنی بصیرت پر دلالت کرتی ہیں، جس میں غواصی کرکے وہ بیش قیمت لعل و گہر چن کر لاتے تھے اور بیان کرتے تھے، وہ اپنے اس ذوق کا خود یوں اظہار کرتے ہیں:

''میں قرآن مجید کا ادنیٰ طالب علم ہوں، اس کے بعد جو کچھ بھی اللہ نے توفیق دی اس میں قرآن مجید کا سب سے بڑا حصہ ہے ع

آنچہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

جن لوگوں نے میری ناچیز تحریریں اور تصنیفات دیکھی ہیں، ان کو اندازہ ہوگا کہ میری تحریروں کا تانا بانا قرآن مجید ہی سے تیار ہوتا ہے، میں نے سب سے زیادہ قرآن سے مدد لی ہے اور پھر تاریخ سے اور میں تاریخ کو قرآن مجید کی ہی تفسیر سمجھتا ہوں۔''

(دعوت فکر و عمل:۱۸۸-۱۸۹)

تاریخ اور قوموں کے عروج و زوال کی داستان حضرت مولانا کا محبوب موضوع تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے تاریخ عالم کو بھی قرآن مجید ہی کی روشنی میں پڑھا اور سمجھا تھا، جس کا اندازہ ان کے اسلوب بیان اور طرز استدلال سے صاف طور پر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عام مؤرخین کی روش سے ہٹ کر اس سے وہ رہنما اصول اخذ کیے جو دعوتی میدان کے لیے ہمیشہ مشعل راہ رہیں گے، انہوں نے خود اس بات کا ایک جگہ ذکر کیا ہے:

''میں نے قرآن مجید کو اس نظر سے پڑھا کہ وہ ایک زندہ کتاب اور ایک بولتا ہوا مرقع اور آئینہ ہے، جس میں افراد بھی اپنے چہرے دیکھ سکتے ہیں، قومیں بھی اپنی صورتیں دیکھ سکتی ہیں اور قوموں، سلطنتوں، تمدنوں کی ترقیات و عروج کے انجام بھی اس کتاب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔'' (قرآنی افادات:۱/۱۸)

قرآن مجید سے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے آخری درجہ عشق و شغف کا اندازہ ان کے ان الفاظ سے ہوتا ہے:

''جب قرآن مجید میں آدمی کا جی لگنے لگتا ہے تو انسانی تصنیفات سے جی گھبرانے لگتا ہے، انسانی کتابیں، انسانی تحریریں، انسانی تقریریں پست اور بے مغز معلوم ہونے لگتی ہیں، ادباء اور حکماء اور مفکرین کی باتیں طفلانہ اور عامیانہ نظر آتی ہیں، جن میں کوئی گہرائی اور پختگی معلوم نہیں ہوتی۔'' (میری علمی و مطالعاتی زندگی:۴۷)

حضرت مولانا کا قرآن میں تدبر و تفکر اور ذوق و شوق کا یہی وہ جذبہ تھا، جس کی بنا پر اکابر امت بھی ان کی اس ممتاز صفت کے ثنا خواں اور قدرداں تھے، بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے ایک موقع پر اپنے مخصوص انداز میں انہیں مخاطب کرکے فرمایا:

''جایئے دولتِ قرآن مبارک ہو۔'' (قرآنی افادات:۱/۱۹)

Democracy
(جمہوریت)

سید محمد مکی حسنی ندوی

سابق امریکی صدر ابراہام لنکن (Abraham Lincoln) کے الفاظ میں:

"Government of the people,
by the people and for the people."

یعنی (جمہوری) حکومت عوام میں سے،
عوام کی جانب سے اور عوام کی خاطر (ہوتی ہے)

''Democracy'' (جمہوریت) کے لغوی معنی ''عوام الناس کی حکمرانی'' ہے۔ یہ یونانی لفظ سے مشتق ہے جس میں "Demos" کا مطلب عوام الناس ہوتا ہے اور "Kratos" کا مطلب حکمرانی ہوتا ہے۔

جمہوریت یہ ایک ایسا نظام سیاست ہے جہاں عوام کو قانون سازی میں شامل کیا جاتا ہے، یا عوام اپنے نمائندے طے کرتے ہیں جو یہ کام انجام دے سکیں۔ یہ نمائندے اس انتخابی نظام (Voting System) کے ذریعہ منتخب ہوکر آتے ہیں جس میں عوام کا ہر بالغ فرد اپنے پسندیدہ شخص کے حق میں Vote کرکے قانون سازی اور علاقہ کی خدمت کے لیے حکومت میں نمائندہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر جس کے حق میں سب سے زیادہ عوام کا Vote جاتا ہے، اس کو حکومتی اجلاس میں جگہ ملتی ہے اور وہ عوام کی ترجمانی کا حقدار ہو جاتا ہے، ہندوستان اور بیشتر ممالک میں یہی جمہوری نظام رائج ہے۔

پانچویں صدی (ق م) میں یہ نظام کچھ یونانی شہروں میں خاص طور پر ایتھنس (Athens) میں رائج تھا، قدیم ایتھنس کے بعد رومن امپائر بھی جمہوری نظام پر قائم ہوگیا، البتہ اس جمہوری نظام میں رائے دہی کا حق صرف آزاد مرد کے لیے ہی مخصوص تھا اور حکومت کرنے کا اختیار خواص کے پاس ہی رہتا تھا، اس جمہوری نظام میں عوام بہت سے بنیادی حقوق سے بھی محروم تھے۔

پھر انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں یورپ میں تحریک حق رائے دہی (Suffrage Movements) نے زور پکڑا اور پھر دھیرے دھیرے وہاں ''جمہوری حکومتوں'' کی بنیاد پڑنے لگی جسے مغربی جمہوریت (Western Democracy) کے نام سے بیان کیا جاتا ہے۔

مغرب نے جس جمہوری نظام سے دنیا کو متعارف کرایا اس نے اپنے اصولوں اور دعووں کی بدولت بہت جلد قبول عام حاصل کرلیا اور پھر مغربی سامراج سے آزاد ہونے والے ممالک نے اسی نظام کو اپنے یہاں رائج کیا۔

جمہوری نظام حکومت ہر فرد کی ترقی و بہبود کا دعویدار ہے اور اپنے دعووں کو پرکشش اور قابل قبول بنانے کے لیے اس نے درج ذیل چار اہم انسانی بنیادوں پر زور دیا ہے:

(۱) قانون: (Law) جمہوری حکومت قانونی حیثیت پر قائم ہوتی ہے، اس میں صرف اسی جماعت کو کار حکومت سنبھالنے کا اختیار ہوتا ہے جو عوام کے قانونی اور آزاد و انصاف سے کی گئی Voting سے حکومت میں آتی ہے۔ ایسی حکومت اپنی قانونی حیثیت رکھتی ہے اور اسی سے عوام کے بہبود کی امید لگائی جاسکتی ہے۔

لیکن نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ Voting کے ذریعہ حکومت کرنے والی پارٹی جمہور کا Vote حاصل کرنے میں ناکام رہتی ہے اور چونکہ حکومت بنانے والی پارٹی کو جمہور کی تائید حاصل نہیں ہوتی اس لیے زیادہ تر عوام حکومت سے ناخوش رہتے ہیں، مثلاً 60/ فیصد عوام انتخابات میں حصہ لیتے ہیں اور یہ Vote کم سے کم دس مختلف پارٹیوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، لہٰذا جیتنے والی پارٹی کو مشکلوں سے 10 سے 15/ فیصد ہی Vote حاصل ہوتے ہیں یعنی 85 سے 90/ فیصد لوگ اس حکومت کے حامی نہیں ہوتے۔

(۲) انصاف: (Justice) جمہوری حکومت انصاف پر قائم ہوتی ہے۔ یہ معاملہ اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب عوام ایک ایسے ماحول میں زندگی بسر کریں جہاں تمام لوگوں کے ساتھ یکساں معاملہ

کیا جائے اور عوام کو عزت واحترام دیا جائے۔ یعنی کسی خاص طبقہ یا فرد کو خاص سہولت دی جائے تو اس پر سوال ہونا چاہیے اور معاشرہ کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو صلاحیت کی بنیاد پر فروغ دے اور انعام لیاقت کی بنیاد پر دے، نہ کہ ان کی حیثیت اور رتبہ کی بنا پر۔

لیکن درحقیقت سیاسی پارٹیاں نظام انتخابات میں کسی خاص مذہب، طبقہ یا ذات کا Vote حاصل کرنے کے لیے تفریق کی سیاست کھیلتی ہیں اور اس بنا پر انصاف کا معاشرہ سے ختم ہونا یقینی ہے، چنانچہ جن لوگوں سے بااقتدار پارٹی کو Vote ملتا ہے اور جس علاقہ سے ان کے امیدوار کامیاب ہوتے ہیں ان جگہوں اور لوگوں کو امتیازی درجہ دیا جاتا ہے اور باقی سب کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

(۳) آزادی: (Liberty) جمہوری نظام حکومت میں آزادی ہر شہری کا حق ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان کے آئین نے بھی اپنے شہریوں کو چھ حقوق دیے ہیں: (۱) برابری کا حق (۲) آزادی سے رہنے اور کام کرنے کا حق (۳) استحصال کے خلاف آواز اٹھانے کی آزادی کا حق (۴) مذہبی آزادی کا حق (۵) تعلیمی وثقافتی آزادی کا حق (۶) آئینی چارہ جوئی کی آزادی کا حق۔

یہ بات خصوصی طور پر توجہ کے لائق ہے کہ ایک طرف جمہوریت کا یہ دعویٰ ہے کہ اس میں انسان کو ہر قسم کی آزادی حاصل ہے اور انسان کا بنایا ہوا کوئی دوسرا نظام ایسا نہیں جس میں انسان امن و سکون محسوس کرتا ہو، مگر اس نظام کی بنیادی خامی یہ بھی ہے کہ اس میں نمائندوں کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جس آئین پر تمام شہریوں کی آزادی منحصر ہوتی ہے، اس آئین کو یکسر تبدیل بھی کر سکتے ہیں، یعنی کہ اگر حکومت میں شامل نمائندے یہ چاہیں کہ کسی خاص مذہب، طبقہ یا فرقہ سے Vote کا حق سلب کر لیا جائے، کسی جگہ سے ان کا مالکانہ حق تلف کر دیا جائے، ان کی مذہبی آزادی ختم کر دی جائے یا ان کے ثقافتی پروگراموں پر پابندی عائد کر دی جائے، تو وہ پارلیمنٹ میں ایک بل پاس کر کے اپنے منصوبے کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔

(۴) طاقت: (Power) آزاد جمہوریت میں آئین میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ حکومت کی طاقت محدود، صاف اور غیر جانب دار ہو۔

جمہوری آئین کے اعتبار سے ہندوستان میں صدر سربراہ ریاست ہوتا ہے، وزیر اعظم سربراہِ حکومت ہوتا ہے اور صدر جمہوریہ وزیر اعظم کے مشورہ پر فیصلہ کرتا ہے۔ ہندوستان ''ریاستوں کا اتحاد'' ہے، یعنی ہندوستان وفاقی (Federal) طرز حکومت ہے، جس میں مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم ہوتی ہے اور عدلیہ آزاد ہوتی ہے۔ مگر ہنگامی (Emergency) صورت حال میں یہ وحدانی (Unitary) شکل اختیار لیتا ہے یعنی ہنگامی حالات میں ریاستی حکومت کو کالعدم قرار دے دیا جاتا ہے اور حالات کے سنبھلنے تک اختیارات صرف مرکزی حکومت کے ہوتے ہیں۔

جمہوری نظام میں عدلیہ بالکل آزاد ہوتی ہے، کسی کی شخصیت، مذہب یا پارٹی اس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عدلیہ اس وقت تک اپنے کسی بھی فیصلے کو نافذ نہیں کر سکتی جب تک خود حکومت، اس کے ماتحت پولیس وخفیہ ادارے اور حکومت کا میڈیا اس کا ساتھ نہ دے۔ اس طرح جمہوریت میں عدلیہ حکومت کے دباؤ میں رہتی ہے یا یوں کہا جائے کہ فیصلہ لینے میں جج جو محض ایک انسان ہوتا ہے، حکومت اور اس کے ووٹ بینک (Vote Bank) کی رائے کو مد نظر رکھتا ہے۔

حقیقت تسلیم کی جائے تو جمہوریت میں عوامی اکثریت ایک خوفناک جانور بن جاتی ہے جو روہنگیا اور اویگور جیسی اقلیتوں کو مکمل تباہ اور برباد کر دیتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ ہمارے ملک میں بھی آسام جیسی صورت حال پورے ملک کو نگل جائے۔

خلاصہ یہ کہ ان تمام بدعنوانیوں اور ناانصافیوں کا حل کسی انسانی نظام میں نہیں ہے اور جس حل کے لیے دنیا پریشان اور مضطرب ہے وہ حل صرف اسلامی نظام میں ہے، یہ خدائی نظام ہر مذہب، طبقہ اور برادری کے ماننے والوں کے لیے انصاف کا حامل، ہر حکومت کے لیے مشعل راہ اور اختلاف کا آسان اور قدرتی حل ہے۔

حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے

محمد نفیس خاں ندوی

شاہ سلمان نے جنوری 2015 میں تخت سنبھالا تو ریاست سے باہر ''شہزادہ محمد'' کو شاید ہی کوئی جانتا تھا، شاہ سلمان نے پہلے شاہی فرمان میں اپنے جانشینوں کا اعلان کیا، شہزادہ مقرن کو ہٹا کر شہزادہ محمد بن نائف کو ولی عہد مقرر کیا اور اپنے بیٹے شہزادہ محمد بن سلمان کے لیے نیا عہدہ تخلیق کیا اور اُسے 'نائب ولی عہد' نامزد کردیا۔ شہزادہ محمد بن سلمان کو نائب ولی عہد کے علاوہ نائب وزیر اعظم، وزیر دفاع، دربار شاہی کا انچارج اور سعودی تیل کمپنی آرامکو (ARAMCO) کے بورڈ کا چیئرمین بھی بنایا گیا۔

مارچ 2017 میں نائب ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان نے امریکی صدر ٹرمپ سے وائٹ ہاؤس میں لنچ پر ملاقات کی، یہ ایک غیر معمولی ملاقات تھی، جس کا نتیجہ 21 جون کو سامنے آیا، جب شہزادہ محمد بن نائف کو نہ صرف تمام عہدوں سے ہٹایا گیا بلکہ ولی عہدی سے بھی برطرف کر کے محمد بن سلمان کو ولی عہد مقرر کردیا گیا، اور نائب ولی عہد کا فرمائشی عہدہ بھی ختم کردیا گیا۔

ولی عہد بنتے ہی محمد بن سلمان نے شاہ سلمان تک اہم افراد کی رسائی محدود کردی اور بلاشرکت غیرے اقتدار کے مالک بن بیٹھے۔

محمد بن سلمان کی ذہنی وفکری تربیت مغربی سانچہ میں ہوئی تھی، عربی قالب میں ایک خالص مغربی شہزداہ نے جب اقتدار پر قبضہ حاصل کیا مغربی افکار ونظریات کی سرحدیں خود بخود مٹتی چلی گئیں اور پورے ملک میں فحاشی وعریانیت کو رواج پانے کے مواقع مل گئے۔

محمد بن سلمان نے قوم کے سامنے ''ویژن 2030'' نام سے ایک نیا پروجیکٹ پیش کیا جس کا مقصد سعودی معیشت کا تیل پر انحصار کم کرنا اور سیاحت کے نام پر ملک میں فحاشی، عیاشی وعریانی پر مبنی اجتماعات کے ذریعے غیر ملکیوں کو راغب کر کے زرمبادلہ حاصل کرنا ہے جیسے متحدہ عرب امارات کر رہا ہے۔ اس پروجیکٹ کے لیے ریگستان میں نصف کھرب ڈالر کی لاگت سے ایک بڑا شہر بسانے کا بھی منصوبہ بنایا ہے جہاں عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے کی مکمل آزادی ہوگی۔ تعجب خیز یہ ہے کہ سعودی عرب کی اس بے حیائی کو میڈیا ''روشن خیالی'' سے تعبیر کر رہا ہے۔

سعودی عرب دُنیا بھر میں مسلمانوں کے لیے مقدس ترین سرزمین کی حیثیت رکھتا ہے، خصوصاً حجاز مقدس کے خطے میں بیت اللہ اور مسجدِ نبوی بھی واقع ہے، اس کے علاوہ بھی تاریخ اسلام سے جڑے سینکڑوں مقدس مقامات بھی ہیں، یہی وجہ ہے کہ سعودی مملکت میں فحاشی وعریانی اور دیگر لغویات سے ہمیشہ سختی سے نمٹا جاتا رہا ہے، لیکن گزشتہ کچھ عرصے سے سعودی مملکت میں ایسے شرمناک واقعات پیش آرہے ہیں جن کے باعث اُمتِ مسلمہ سخت تشویش واضطراب میں مبتلا ہے۔

سرزمینِ وحی حجاز مقدس پر اصلاحات کے نام سے جو اخانے قائم کیے جارہے ہیں، ماڈلنگ کی سرپرستی کی جارہی ہے، رقص وسرود کی محفلیں سجائی جارہی ہیں، فحاشی عریانی اور بے حیائی کو فروغ دیا جارہا ہے، بالفاظ دیگر سعودی عرب اپنا تشخص کھوتا جارہا ہے حرم اور مسجد نبوی کے کسٹوڈین اور خادم الحرمین ہونے کی وجہ سے اس کی جو مثالی شخصیت اور قائدانہ حیثیت تھی ختم ہوتی جارہی ہے۔ امر بالمعروف کے بجائے امر بالمنکرات پر زور صرف ہو رہا ہے، مغربی تمدن اور مغربی اقدار کو بے چوں چرا قبول کیا جارہا ہے بلکہ ان کو رواج دیا جارہا ہے۔

ساحل سمندر پر ایسی تفریح گاہیں بنائی جارہی ہیں جہاں خواتین معمولی اور نیم عریاں لباس پہن کر جاسکیں گی، پردہ جو ایک اسلامی شعار تھا وہ سعودی حکمرانوں کی عقلوں پر پڑ گیا ہے، پوری قوم نغمہ وساز اور عود و بخور میں غرق ہوگئی ہے۔ حد یہ ہے حجاز مقدس کے جن علمائے دین نے اسلامی تعلیمات کی خلاف کھلم کھلا ورزی پر صدائے احتجاج بلند کی ان کے خلاف مقدمات اور گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

سعودی عرب میں اب بڑے پیمانے پر تفریحی تقاریب اکثر دیکھنے میں آتی ہیں، ان تقاریب کے بعض مناظر اب بھی غیر معمولی لگتے ہیں۔ گزشتہ چار سالوں میں ملک کے 13 صوبوں میں سے 9 صوبوں میں تقریباً 44 سنیما ہال کھل چکے ہیں، ایک ایسا ملک جہاں چند سال قبل تک عوامی مقامات پر موسیقی متنازع تھی وہاں اب رات بھر بلند آواز میں میوزک فیسٹیول ہوتا ہے اور لوگوں کی بڑی تعداد اس میں شرکت کرتی ہے۔ ماضی کے سعودی عرب میں ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔

ولی عہد محمد بن سلمان کے قریبی حلقوں کا کہنا ہے کہ ملک اس وقت بڑی تبدیلی سے گزر رہا ہے، یہ تبدیلی اب بھی اپنے ابتدائی مراحل میں ہے۔ تبدیلی کی اس رفتار کو ابھی مزید تیز کرنے کی ضرورت ہے تاکہ سعودی شہزادہ کے ویژن 2030 منصوبے کی تکمیل ہو سکے۔ جب تک یہ تبدیلیاں 'نارمل' نہیں بن جاتیں تب تک لوگوں کو صبر سے کام لینا ہوگا۔

حجاز مقدس کی عظمت اور اس سے ایمانی تعلق کی بنیاد پر ہر صاحب ایمان ان حکمرانوں کے اقدامات پر پریشان بھی ہے اور حیرت میں بھی ہے۔

حیرانی کی بات یہ ہے کہ عریانی و بے حیائی کا جو طوفان مغرب نے آزادی اور روشن خیالی کے نام پر برپا کیا تھا اور جسے شاید آج سعودی حکمرانوں نے ان کی ترقی کا راز سمجھا ہے، اس کی تباہ کاری کے عملی تجربے کے بعد مغرب کے پوپ و پادری نہیں بلکہ حکومتی و سیاسی حلقے تک اس سے سخت پریشان ہیں، عریانی و بے حیائی کی نہ مٹنے والی بھوک کے نتیجہ میں مغربی اقوام کے ہر طبقہ میں تاجرانہ ذہنیت، نفع اندوزی اور موقع پرستی کی کیفیت پیدا ہے اور لوٹ کھسوٹ کا ایسا بازار گرم ہے کہ اخلاق کا مسئلہ بالکل نگاہوں سے اوجھل ہو چکا اور پوری مغربی دنیا ہلاکت وتباہی کی جانب تیزی سے گامزن ہے۔ گزشتہ سال ستائیس ممالک پر مشتمل یورپی یونین کی پارلیمنٹ میں ''کمیٹی آن ویمنز رائٹس اینڈ جنڈر ایکولٹی'' کی جانب سے ایک رپورٹ پیش کی گئی جس میں مغربی معاشرہ خصوصاً پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں عورتوں کے حیا سوز انداز میں پیش کرنے کو ان کی بے عزتی اور صنفی عدم مساوات پر مبنی رویہ قرار دیا گیا، اور اس پر مکمل پابندی لگانے کی تجویز پیش کی گئی۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ بے حیائی کے کلچر نے مغربی معاشرہ کو سنگین صورت حال سے دوچار کر رکھا ہے۔

تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ مغرب کا یہ وہ اگلا ہوا نوالہ جسے آج عرب حکمراں نگلنے کی کوشش کر رہے ہیں، ''روشن خیالی'' کے عنوان سے جس فتنہ نے آج عرب کی سرزمین میں قدم رکھا ہے اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کی دلچسپی اور ان کی رہنمائی وسرپرستی بھی شامل ہے، ان کی دیرینہ آرزو ہے کہ عربوں کے ذہنی وتہذیبی ارتداد، جاہلیت اولی کی طرف بازگشت اور دین پر عقیدہ وعمل میں ضعف وتزلزل پیدا کرسکیں، اور ہوسکے تو پھر ان کو ماقبل اسلام اور جاہلیت عربیہ کی طرف واپس لاسکیں، جس کا یہ مغربی اور مسیحی قائدین صدیوں سے خواب دیکھ رہے ہیں، یہ منصوبہ بڑا نازک، مخفی اور عمیق ہے، اس کو سمجھنے کے لیے عالم عربی کو ذہانت اور دور بینی کی بھی ضرورت ہے، دینی وایمانی فراست کی بھی اور تاریخ کے وسیع وعمیق مطالعہ کی بھی!

اصلاحی خطبات

نماز کی اہمیت

جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

''فلاح کی اولین شرط اور فلاح کا سب سے پہلا راستہ یہ ہے کہ انسان نہ صرف یہ کہ نماز پڑھے بلکہ نماز میں خشوع اختیار کرے، کیونکہ نماز ایسی چیز ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ۶۲ سے زیادہ مقامات پر اس کا حکم فرمایا، حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ حکم دے دیتے تو بھی کافی تھا، لیکن نماز کے بارے میں ۶۲ مرتبہ حکم دیا کہ نماز قائم کرو، اس کے ذریعہ اس حکم کی اہمیت بتانا مقصود ہے کہ نماز کو معمولی کام مت سمجھو اور یہ نہ سمجھو کہ یہ روزمرہ کی روٹین کی ایک معمولی چیز ہے۔

آج کل ہمارے معاشرہ میں ایک گمراہی پھیل گئی ہے، وہ یہ ہے کہ لوگوں کے دماغ میں یہ بات آ گئی ہے کہ بہت سے کام ایسے ہیں جو نماز سے زیادہ فوقیت رکھتے ہیں، خاص طور پر یہ بات ان لوگوں کے اندر پیدا ہوگئی ہے جو دین کے کام میں مشغول ہیں، دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں، جہاد کا کام کر رہے ہیں، سیاست کا کام کر رہے ہیں، یہ حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت بڑا کام کر رہے ہیں، لہٰذا چونکہ ہم بڑا کام کر رہے ہیں، اس لیے اگر کبھی اس بڑے کام کی خاطر نماز چھوٹ گئی یا نماز میں کمی آ گئی یا نماز میں کوئی نقص واقع ہوگیا تو کوئی حرج کی بات نہیں، کیونکہ ہم اس سے بڑے کام میں لگے ہوئے ہیں، ہم دعوت وتبلیغ کے کام میں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام میں لگے ہوئے ہیں، جہاد کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور سیاست کے کام میں لگے ہوئے ہیں، اس لیے اگر ہماری جماعت چھوٹ جائے گی تو ہم گھر میں نماز پڑھ لیں گے اور اگر نماز کا وقت نکل گیا تو قضا پڑھ لیں گے، یاد رکھئے! یہ بڑی گمراہانہ فکر ہے۔

حضرت عمرؓ سے زیادہ دین کا کام کرنے والا کون ہوگا؟ ان سے بڑا سیاست کا علم بردار کون ہوگا؟ ان سے بڑا جہاد کرنے والا کون ہوگا؟ ان سے بڑا داعی اور ان سے بڑا مبلغ کون ہوگا؟ لیکن وہ اپنے تمام فرمانرواؤں کو باقاعدہ یہ سرکاری فرمان جاری کر رہے ہیں کہ میرے نزدیک تمہارے سب کاموں میں سب سے اہم چیز نماز ہے، اگر تم نے اس کی حفاظت کی تو تمہارے اور کام بھی درست ہوں گے اور اگر اس کو ضائع کر دیا تو تمہارے اور کام بھی خراب ہوں گے۔

تم اپنے آپ کو کافروں پر قیاس مت کرنا، غیر مسلموں پر قیاس مت کرنا اور یہ مت سوچنا کہ غیر مسلم بھی تو نماز نہیں پڑھ رہے ہیں، مگر ترقی کر رہے ہیں، دنیا میں ان کا ڈنکا بج رہا ہے، خوش حالی ان کا مقدر بنی ہوئی ہے اور دنیا کے اندر ان کی ترقی کے ترانے پڑھے جا رہے ہیں، یاد رکھو! تم اپنے آپ کو ان پر قیاس مت کرنا، اللہ نے مومن کا مزاج اور مومن کا طریقہ زندگی کافر کے مقابلہ میں بالکل مختلف قرار دیا ہے، قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ مومن کو فلاح نہیں ہوسکتی جب تک وہ ان کاموں پر عمل نہ کرے جو بیان کیے گئے ہیں اور ان میں سب سے پہلا کام نماز ہے۔''

(۱۴/۱۸۱-۱۸۶)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 14 ✦ January 2022 ✦ Issue: 01

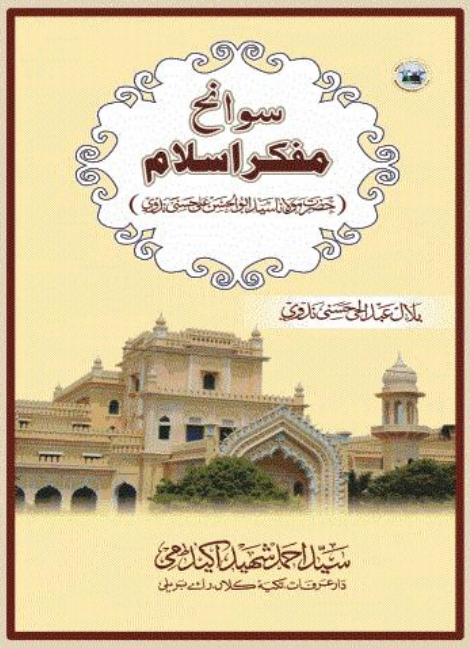

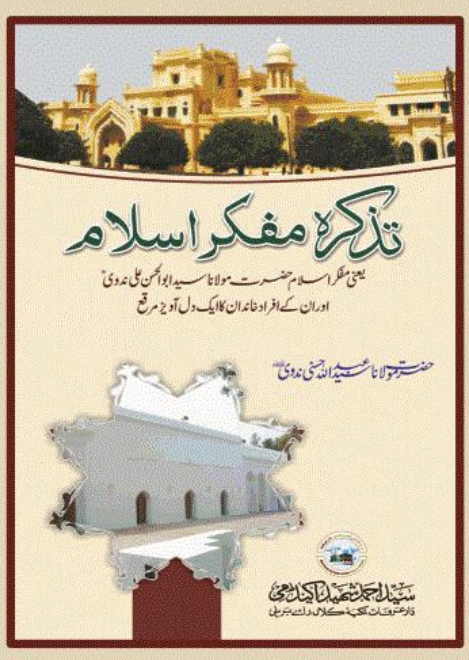

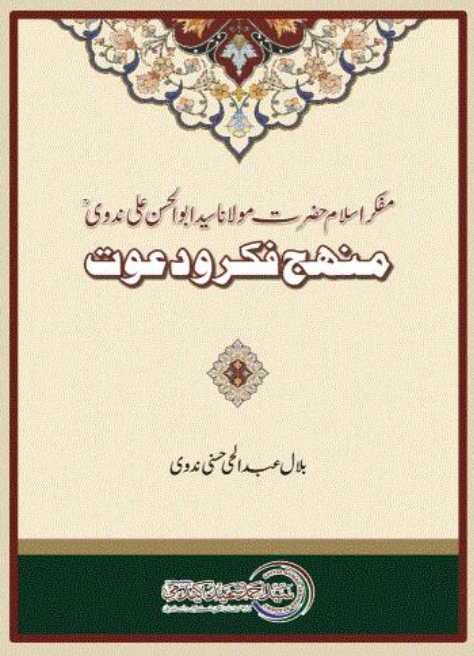

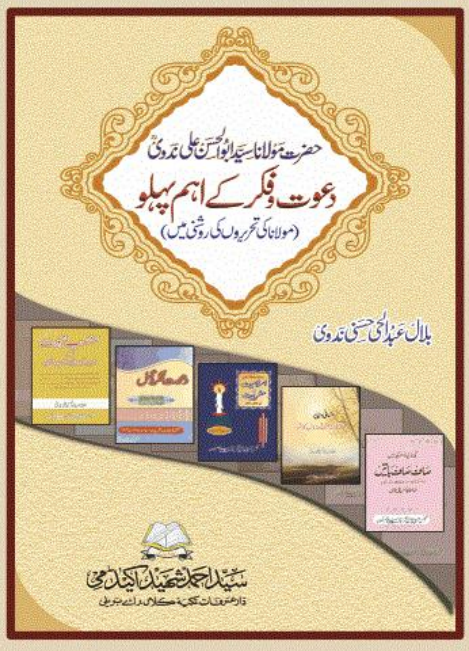

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)